علامہ اقبال کی اردو شاعری پر عربی جاہلی ادب کے اثرات

ڈاکٹر سلیم طارق خان

سید نذیر نیازی اپنی کتاب دانائے راز میں رقم طراز ہیں:

''افسوس ہے محمد اقبال کی زندگی کے اس تشکیلی دور کی اہمیت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی اور اس دور کی اہمیت کو بہت کم سمجھا گیا، کچھ سبب بے توجہی، کچھ معلومات کی کمی..... محمد اقبال کی زندگی کے تشکیلی دور کو باعتبار ان کی تعلیم و تربیت اور ذاتی کاوش کے سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔(۱)

اس ضمن میں عزیز احمد نے لکھا ہے۔

اقبال کا پورا کلام پڑھنے کے بعد اقبال کے اطراف میں بھی بہت کچھ پڑھنا پڑتا ہے۔ رومی، نطشے، برگساں، فشتے، الجیلی، یونانی فلسفہ، جرمن، اطالوی، انگریزی شاعری، فارسی غزل، اردو غزل اور سب کچھ پڑھیے تو محسوس ہوتا ہے کہ ابھی اور بہت کچھ پڑھنا ہے۔(۲)

اس عبارت کو اپنے مقالے میں درج کرنے کے بعد پروفیسر محمد منور لکھتے ہیں:

''میں سمجھتا ہوں کہ اس ''بہت کچھ'' میں عربی ادب بھی ایک بڑے اہم عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔(۳)

عربی ادب ایک بڑے اہم عنصر کی اہمیت ہی نہیں رکھتا بلکہ اس نے تشکیل اقبال میں ایک کردار بھی ادا کیا ہے۔ اقبال کی زندگی کا مطالعہ اگر ماہ بہ ماہ اور سال بہ سال کیا جائے اور ان تمام ادب کی کتب کو بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اقبال کی زندگی میں عربی ادب خصوصاً عہد جاہلیت کی عربی شاعری کے

اتنے گہرے اثرات ہیں کہ انہوں نے اردو اور فارسی کی آریائی زمین میں سامی عربی زبان کے علائم و رموز کی اس خوبصورتی سے تخم ریزی اور پیوند کاری کی ہے جو عربی شاعری سے متاثر کسی دوسرے فارسی یا اردو شاعر کے ہاں نظر نہیں آتی۔ اس کا ایک بنیادی سبب ہے کہ اقبال کی تعلیم و تربیت میں عربی زبان کے اساتذہ اور عربی شاعری سے اس کی ہم آہنگی کلیدی اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ اپنی تعلیم و تربیت کے بارے میں خود رقم طراز ہیں My education began with the study of Arabic persian (۴) عربی اور فارسی کے اسی تعلم کا نتیجہ تھا کہ عربی اور فارسی ان کے رگ و پے میں رچ بس گئی تھی بلکہ ان زبانوں کے ادب کا اثر تھا کہ عرب کا ثقافتی ورثہ ان کے شعور کا ایک حصہ بن گیا جو ان کی شاعری میں جا بجا نظر آتا ہے۔ سید نذیر نیازی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ عربی اور فارسی سے محمد اقبال کو دلی لگاو تھا۔ فارسی اور عربی ادب ان کے دل و دماغ میں رچ گیا تھا۔ فارسی اور عربی کا ادبی اور ثقافتی ورثہ دل میں گھر کر چکا تھا۔ (۵)

علامہ اقبال کی زندگی کا جائزہ لیں تو اس ثقافتی ورثے کے ان کے دل میں گھر کر نے کے اسباب سامنے آجاتے ہیں۔ مثلاً علامہ اقبال فرماتے ہیں:

''ہمارے ہاں ابن عربی کی ''فصوص الحکم'' اور ''فتوحات مکیہ'' کا باقاعدہ مطالعہ ہوتا تھا۔ (۶)

علامہ اقبال کے والد ناخواندہ تھے لیکن زیرک اور معاملہ فہم بزرگ تھے۔ اور میر حسن انہیں ان پڑھ فلسفی کہا کرتے تھے۔ انہیں علم و حکمت، شریعت، طریقت، فلسفے اور کلام کے مسائل سے دلی لگاؤ تھا۔ عربی زبان سے ان کی دلچسپی اور دلی لگاؤ کی بہت سی مثالیں ان کی زندگی میں ملتی ہیں۔

علامہ اقبال اور ان کے والد محترم کے مابین مطالعہ قرآن اور نزول قرآن کے

بارے میں ہونے والی گفتگو کو اقبال کے سوانح نگاروں نے قلم بند کیا ہے جس کی طرف اشارہ علامہ اقبل نے اپنے اس شعر میں کیا تھا(۷)

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

اسی گفتگو کے دوران علامہ اقبال نے عربی فہم کے بارے میں کہا:

''تھوڑی بہت عربی جانتا ہوں۔ کچھ سمجھ لیتا ہوں۔(۸)

سید نذیر نیازی اپنی کتاب ''دانائے راز'' میں کسی مقام پر اقبال کی طرف سے کہے گئے اس جملے ''میں سی عربی سیکھ لی تھی'' کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''مطلب یہ ہے کہ جیسی قدرت انہیں انگریزی اور فارسی پر تھی، ویسی عربی زبان پر نہیں۔ لیکن عربی ان کی شاعری میں رچ بس گئی۔ عربی ادب سے انہیں دلی لگاؤ تھا۔ لیکن عربی خواص کی زبان تھی، علم وحکمت کلام اور الہیات تفسیر وحدیث، فقہ وتصوف، عربی میں تحریر وتقریر کے مواقع شاذ ہی آئے۔''(۹)

عربی زبان وادب کے اثرات کی ہمہ گیری پر سید نذیر نیازی کی ایک اور شہادت ملاحظہ فرمائیے، وہ رقم طراز ہیں:

''یوں بھی ایک ایسے ادب کی تشکیل میں جس سے زندگی کو تحریک ہو، ان کا ذہن عربی ادب کی طرف منتقل ہو رہا تھا۔ طبعی امر تھا کہ فارسی ہو یا اردو، ان کے کلام میں اسلامی ادبیات کے حیات افروز اثرات کا عمل دخل بڑھتا چلا جائے۔ اسرار خودی میں جب حافظ کی تنقید سے ایک غلط تاثر قائم ہوا تو اس کے ازالے کے لیے در حقیقت شعر وادبیات اسلامیہ کے عنوان سے اپنے خیالات کی وضاحت کرتے ہوئے اے میان کیسہ ات نقد سخن، میں صاف صاف کہا۔

فکر صالح در اب می بایدت
رحمتے سوئے عرب می بایدت

اقبال کی تشکیل اور تعلیم و تربیت کے حوالے سے جن شخصیات کے اثرات سب سے زیادہ محسوس کیے گئے، ان میں میر حسن کا نام سب سے بلند نظر آتا ہے جو سکاچ مشن کالج میں عربی زبان کے استاد تھے اور جن کے تبحر علمی کے اقبال ہمیشہ معترف رہے۔ ان کیا عتراف کا خوبصورت ترین انداز یہ تھا کہ جب آپ کو القاب نوازنے کے لیے حکومت نے رابطہ کیا تو آپ نے ایک شرط عائد کی کہ آپ کے استاد میر حسن کو شمس العلماء کا خطاب دیا، جائے اور جب ان کی تصنیفات کی بابت دریافت کیا گیا تو علامہ اقبال نے خود کو ان کی تصنیف قرار دیا۔

آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم کی غرض سے داخلہ کیا تو ایف۔اے اور بی۔اے میں عربی کو بطور مضمون طور پر منتخب فرمایا اور اس مضمون سے طبعی دلچسپی کا یہ عالم کہ ایف اے اور بی اے میں عربی مضمون میں اول آ کر باقاعدہ تمغوں اور اعزازات تعلیمی سے نوازے گئے۔ انہیں جمال الدین اور خلیفہ محمد حسین کے تمغے دیے گئے (۱۲) اس کے علاوہ خان بہادر نانک بخش تمغہ بھی دیا گیا (۱۳) جو عربی زبان میں امتیازی کامیابی کے لیے مخصوص تھا۔ (۱۴)

گورنمنٹ کالج لاہور میں قیام کے دوران آپ عربی کی تعلیم کے لیے اورینٹل کالج میں جن عربی اساتذہ سے استفادہ کرتے تھے۔ ان میں مولوی محمد دین ایم۔او۔ایل اور مولانا محمد عبداللہ ٹونکی خاص طور پر معروف ہیں۔ اس زمانے میں مولانا محمد حسین آزاد بھی اورینٹل کالج سے وابستہ تھے لیکن ان سے استفادہ کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہوئیں کیونکہ یہی دور مولانا محمد حسین آزاد کی وحشت کا دور تھا۔ (۱۵)

علامہ اقبال نے ایم۔اے کیا تو ایف۔اے اور بی۔اے میں اول پوزیشن حاصل کرنے کے سبب ان کا تقرر بحیثیت میکلوڈ عربیک ریڈر اورینٹل کالج لاہور میں کیا گیا۔ ان کی تقرری کی تاریخ ۱۳ مئی ۱۸۹۹ء ہے۔ ان کی ذمہ داریوں میں

دوسرے امور کے علاوہ۔

۱۔ عربی کتب نصاب کی طباعت کی نگرانی (۱۶)

۲۔ عربی، انگریزی کتابوں کا اردو میں ترجمہ شامل تھا۔ اورانٹیل کالج لاہور میں آپ کا قیام تقریباً چار سال تک رہا۔ (۱۷)

عربی زبان و ادب سے آپ کی محبت اور اس میں دسترس کا ثبوت ایک اور واقعے سے بھی ملتا ہے۔ آپ جس دوران گورنمنٹ کالج لاہور میں بی اے کے طالبعلم تھے، ان دنوں اورینٹل کالج میں مولانا محمد اقبال عربی کے معلم تھے اس طرح سے یہ اقبال کے بزرگوں میں سے تھے۔ انہوں نے ابوسعید محمد شعیب کا رسالہ مختصر العروض شائع کرنا چاہا تو قطعہ تاریخ کے لئے اقبال سے کہا جس میں یہ خصوصیت رکھی گئی کہ فصاحت، بلاغت، لیاقت اور ذہانت کا دل یعنی الف لے کر چار عدد حاصل کیے۔ پھر مادہ تاریخ کے اعداد ۱۸۸۵ء کے ساتھ ۷ عدد ادب کے شامل کیے۔ اس طرح ۴+۷+۱۸۸۵=ع سنہ مطلوبہ حاصل کیا۔

دکھا کر یہ کتاب بے بہا دل چھین لیتا ہوں
فصاحت کا بلاغت کا لیاقت کا ذہانت کا

ادب کے ساتھ سال طبع پھر یوں عرض کرتا ہوں
جزاک اللہ لکھا ہے رسالہ مختصر کیسا (۱۸)

آپ نے قیام یورپ کے زمانے میں پروفیسر آرنلڈ کی جگہ لندن یونیورسٹی میں عربی زبان کی تدریس کے فرائض بھی سرانجام دیے۔ (۱۹) ان کے دو ادین اور اشعار، آیات قرآن، عربی ضرب الامثال، تراکیب، عربی الفاظ محاوروں اور تلمیحات سے پر ہیں (۲۰)

عربی زبان و ادب سے علامہ اقبال کے اس متعلق کے اجمالی تعارف کے بعد یہ

ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ انکی فکری جولانگاہ میں عربی زبان و ادب کا عمل دخل کس قدر ہے۔ان کے اشعار میں عربی شاعری کی مداخلت کس قدر ہے۔اس کا اجمالی جائزہ پروفیسر محمد منور کے مقالے بعنوان'' کلام اقبال پر عربی ادب کے اثرات میں مل جاتا ہے۔لیکن اقبال کے فکر وفن پر عربی زبان کے اثرات اس سے کہیں زیادہ ہیں جن کا وقت نظر سے جائزہ لینا ضروری ہے۔

عربی ادب جس میں تفسیر وحدیث، فقہ وعلم الکلام ،تصوف فلسفہ اور عمرانیات جیسے بے شمار علوم موجود ہیں،اس کے علاوہ عربی شاعری،تصوف ،فلسفہ اور عمرانیات، مزید برآں عربی شاعری کی وسیع دنیا بھی ہے جس نے فکر اقبال پر بے پناہ اثرات مرتب کیے ہیں۔اس کام کو مرحلہ وار کیا جائے تو مناسب ہے،تاہم اس مقالے میں عہد جاہلیت کے ادب کے اثرات کا جائزہ ہی مقصود ہوگا۔

جاہلی عرب فطرتا سامی اقوام سے زیادہ شاعری کی قابلیت رکھتے تھے۔اور شاعری پر ان کو پورا پورا عبور حاصل تھا۔ان کیلیے ان کی زبان میں مفہوم ادا کرنے کے لیے بہت زیادہ وسعت موجود ہے۔ان کا ماحول خیال آفرینی کے لیے مناسب وموزوں ہے۔ان کی طبیعتیں پاکیزہ اور زندگیاں سادہ تھیں قوت،عصبیت اور جزبہ آزادی ان میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ان کی طبیعتیں پر جوش اور حساس تھیں،خوف اور خوشی کے جذبات ان کو باسانی یاد کر دیتے تھے۔

آسمان اور بیابانان کے درمیان وہ ایسی لامحدود فضا میں موجود تھے جو ان کے دل و دماغ کو جلال و جمال اور افکار و خیالات سے معمور کر دیتی تھیں۔ان کے طبائع حساس اور پر جوش ہیں خوف خوشی ۔غم وغصہ عیش وعشرت بہت جلد ان کو بے خود اور مست کر دیتے ہیں۔چنانچہ جو خیال ان کے ذہن و دل میں سمایا،جس چیز کا انہیں احساس ہوا۔انہوں نے فورا اس کو نظم کر دیا۔یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری ان کے علم وحکمت وتجارت کا مخزن ہے۔ان کے کردار اور جنگی وقائع کا مرقع ہے جسے ایام

العرب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ان کی شاعری میں برجستگی اور آمد کا وافر حصہ ہے۔اس کی مثال دنیا کی کسی دوسری زبان میں نہیں ملتی۔

عرب بنیادی طور پر خانہ بدوش تھے اور خانہ بدوشانہ زندگی سے محبت کرتے تھے۔اور یہی خانہ بدوشانہ زندگی انہیں پیہم رواں رکھتی تھی۔جس کی طرف ایک اندلسی مستشرق نے اشارہ کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں ساری اسلامی شاعری پر عرب شعرا کے مضامین و افکار کی چھاپ ہے۔عربوں کی زندگی بیشتر سفری تھی۔آج یہاں تو کل وہاں،نت نئے چشموں اور نئی چراگاہوں کی تلاش، چنانچہ ان کی شاعری کا بڑا حصہ چھوڑی ہوئی منزل،بچھڑے دوستوں،دور افتادہ محبوباؤں،گزر جانے والے قافلوں اور بے نشان مسافتوں کی روح اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔

اقبال بھی اسلام تہذیب سے جہاں متاثر ہوئے ہیں،وہاں اس ثقافت کی چھاپ ان کی شاعری پر اس قدر گہری ہے کہ علامہ اقبال خود ایک صحرائی معاشرے کے شاعر نظر آتے ہیں، اور صحرائی زندگی کے مختلف عناصر نے ان کی شاعری میں کلیدی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

شاعری میں علائم و رموز کی اہمیت پر سید عابد علی عابد اپنی کتاب شعر اقبال میں رقم طراز ہیں:

''علامہ اقبال ان شعراء میں سے ہیں جو نہ صرف اپنے کلام کی ادبی خیوبیوں کی وجہ سے جاذب توجہ ہیں بلکہ اپنے مطالب و معانی کے اعتبار سے بھی تحقیق کا موضوع بنتے ہیں۔ہر جلیل القدر شاعر روایات کے اس ذخیرے سے استفسادہ کرتا ہے جو معنی خیز تلمیحات، استعارات،تشبیہات اور علامات پر مشتمل ہوتا ہے۔اکثر و بیشتر ادبی روایات کے علائم و رموز لکھنے والے اور پڑھنے والے کے درمیان وہ اشتراک ذہنی پیدا کر دیتے ہیں جو افہام و تفہیم اور ابلاغ کے لئے ضروری ہے۔لیکن شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ کسی شاعر کے ہاں قدیم ادبی روایات کی تمام مصطلحات یا ان کا بڑا

حصہ ایک جدید معنویت اختیار کرتا ہے۔اس صورت میں پڑھنے والے کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ ان علائم و رموز کے جدید معانی سے اپنے آپ کو آگاہ کرے۔

علامہ اقبال کی شاعری میں جاہلی عربی ادب کے علائم و رموز بہت کثرت سے استعمال ہوئے ہیں جن مین قافلہ، کارواں، بانگ رحیل، صحرا، ہجوم نخیل، کھنڈر، ناقہ، حدی خوانی وغیرہ۔اس کے علاوہ ان علائم و رموز استعاروں کے استعمال سے قطع نظر انہوں نے اپنی شاعری کو جاہلی شاعری کے اسلوب کے قریب تر کر دیا ہے۔اور ان کے قطعات، غزلیں اور نظمیں بار ہا اس نظارے کی طرف لیجاتی ہیں جس کے بارے مین وہ کہتے ہیں (۲۲)

''میں لاہور کے ایک ہجوم میں رہتا ہوں مگر زندگی کی تنہائی کی بسر کرتا ہوں۔ مشاغل ضروری سے فارغ ہوا تو قرآن یا عالم تخیل میں قرون اولیٰ کی سیر مگر، خیال کیجئے جس زمانے کا تخیل اس قدر حسین و جمیل اور روح افزا ہے وہ زمانہ خود کیسا ہو گا۔

خوشا وہ عہد کہ یثرب مقام تھا اس کا
خوشا وہ روز کہ دیدار عام تھا اس کا

مولانا صلاح الدین کی دنیائے فکر میں صحرا کی نمود ایک ایسے تصور کو جنم دیتی ہے جو اس کی شاعری کی شاہراہ پر ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔اس لیے کہ یہیں سے اس کا قافلہ شعر وطن کی وادیوں سے نکل کر ملت کے ریگزار میں رواں ہو جاتا ہے۔(۲۳)

علامہ اقبال کے یہ تمام تصورات و استعارات، علائم و رموز شاعری کے جاہلی اسلوب سے اکتساب کردہ ہیں کیونکہ عہد جاہلیت کا شاعر خانہ بدوش ہے اور انہی اقدار حیات کو سب سے مقدم سمجھتا ہے جو روزمرہ کی تگ و دو۔سفر و قیام، ناقہ و فرس

،راحلہ وجرس جنگ اور صلح دوستی و دشمنی فخر وغرور سے کشید کی گئی ہیں ۔لہذا جاہلی عربی شاعر اپنے قصیدے کا آغاز محبوبہ کے کھنڈرات پر آہ و بکا اور ان کھنڈرات سے ہم کلام ہونے کی خواہش محبوبہ کے کوچ اور جدائی کے منظر سے کرتا ہے۔ان کھنڈرات میں وہ چشم تصور سے قافلے کے کوچ کے منظر کو دیکھتا ہے۔پھر اس کے کارواں کی جرس سنائی دیتی ہے اور یہ قافلے صحرا میں گم ہو جاتے ہیں۔

کبھی یہ قافلے ،کارواں اور قبیلے کہیں پڑاؤ ڈالتے ہیں اور کبھی یہ دور دیس میں نکل جاتے ہیں اس صحرائی زندگی میں ناقہ وفرس ان کے رفیق ،مددگار اور ساتھی ہیں اور صحرا کی وسعتوں میں پائے جانے والے درندے شیر اور چیتے ان کے دشمن ہیں۔ ان کا سب سے بڑا دشمن وہ رہزن ہے جو وقت سحر ان کے قافلے پر بلائے بے درماں بنکر ٹوٹ پڑتا ہے۔یہ تمام مناظر ان کی شاعری کا حصہ ہیں۔صرف ایک یا دو شعر میں قدم نہیں رکھ سکتا لہذا ان کی شاعری کے تمام دواوین اٹھا کر دیکھیے اسی اسلوب سے ان کا آغاز ہوتا ہے۔اگر چہ کھنڈروں کو شاعری میں متعارف کروانے کا سہرا امرؤالقیس کے سر باندھا جاتا ہے کہ اس نے کہا تھا ع

''قفانبک من ذکری حبیب ومنزل''(۲۴)

(دوستو آؤ حبیب ویار حبیب کی یاد میں رولیں)

لیکن امرؤالقیس اپنے سے بھی پہلے کے کسی شاعر کا پتہ دیتا ہے کہ کھنڈرات پر رونے کی روایت ابن خزام نے ڈالی تھی اور وہ کہتا ہے۔

عوجا علی الطلل القدیم لعلنا

نبکی الدیار کما بکی ابن خزام

(ترجمہ: قدیم ویران کھنڈروں پر ٹھہرو تا کہ جس طرح اجڑے مقامات پر ابن خزام رویا،ہم بھی روئیں)

علامہ اقبال نے اپنے کلام میں اس کو اس طرح بیان کیا ہے۔

کبھی چھوڑی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو
کھٹک سی ہے جو سینے میں غم منزل نہ بن جائے

عہد جاہلیت کا مشہور حکیم و فلسفی شاعر زہیر بن ابی سلمی بھی اسی اسلوب کو اختیار کرتا ہے اور وہ بیس سال بعد محبوبہ کے کھنڈرات سے گزرتا ہے تو انہیں پہنچاننے کی تگ و دو کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے

امن ام اوفی دمنتہ لم تکلم
بحومانتہ الدراج فالمتثلم
وقفت بھا من بعد عشرین حجتہ
فلا یا فعرف الدار بعد توہم

ترجمہ: کیا یہ ام اوفی کے اجڑے دیار ہیں جو اج ہم کلام نہیں ہوتے ہیں جو حامانتہ الدراج اور متثلم کے ٹیلوں کے درمیان پھیلے ہوئے ہیں
میں یہاں بیس سال کے بعد ٹھہرا ہوں۔ میں نے بہت غور و خوض کے بعد ان کو پہچانا ہے۔

علامہ اقبال نے اس مفہوم کو اپنی نظم پیام خضر میں کس خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔ ع

''تازہ ویرانیکی سودائے محبت کو تلاش''

پھر: ہیر ابن ابی سلمی کہتا ہے۔

بھا العین والا رام یمشین خلفتہ
و اطلال وھا ینھضن من کل مجثم (۲۷)

(وہاں نیل گائیں اور سفید ہرن گھومتے رہتے ہیں اور ان کے پیچھے پیچھے ان کے بچے ٹھکانے چھوڑ کر رواں دواں ہیں)

علامہ اقبال اپنی نظم میں اس منظر کو اس سیبھی خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں

''ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام''

زہیر بن ابی سلمی کہتے ہیں

''اثافی سفعافی معرس مرجل

و نو یا کجزم الحوض لم یتثلم (۲۸)

(ترجمہ: وہ دیگ پکانے کی جگہ چولہے کی اینٹیں اور اس کی راکھ اور خیموں کے گرد کھودی گئی نالی اور کنویں کی منڈیریں جو ابھی تک محفوظ ہیں)

علامہ اقبال نے اس کو نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے اور اس کو مقامی سطح سے اٹھا کر آفاقی بنا دیا ہے۔

آگ بجھی ہوئی ادھر ٹوٹی ہوئی طناب ادھر

کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں

امرؤالقیس اپنے قصیدے میں کہتا ہے۔

ویوم دخلت الخذر خدرعنیزہ

فقالت لک الویلات انک مرجلی

نوول وقد مال الغبیط بنا معا

تقول وقد مال الغبیط بنا معا

عقر بعیری یا امر القیس فانزل (۲۹)

ترجمہ: اور وہ روز جب میں عنیزہ کے محمل میں اس کیساتھ ہم نشیں ہوا تو اس نے کہا تمہارا ستیاناس تم مجھے ہودج سے اترنے پر مجبور کر دو گے اور یہ ہودج ہم دونوں کے بوجھ کے سبب جھکا جاتا ہے اور میرا اونٹ بھی ہمارا بوجھ نہیں اٹھا سکتا لھذا اے امراؤالقیس میرے ہودج سے اتر جا۔''

علامہ اقبال نے اس خیال کو ایک نئی فکری جہت دی ہے۔ وہ کہتے ہیں

تو رہ نورد شوق ہے ، منزل نہ کر قبول
لیلی بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

علامہ اقبال کے ہاں صحرائی زندگی کے تمام عناصر پوری جزئیات سمیت ملتے ہیں۔عربی شاعری اور سلوب سے متاثر ہونے کی طرف انہوں نے بار بار ذکر بھی کیا اور عجمی زبانوں کے استعمال کے باوجود ان کی لے عربی ہی رہی۔ اور یہی لے دراصل عربی اسلوب اپنانے کی طرف اشارہ ہے۔وہ کہتے ہیں۔

مرا ساز اگرنہ ستم رسیدہ زخمہ ہائے عجم رہا
وہ شہید ذوق وفا ہوں میں کہ نوا مری عربی رہی

علامہ اقبال کو جاہلی عربی شاعری میں کوچ کے مناظر اس قدر پسند آتے ہیں کہ وہ ملت اسلامیہ کو عرب تہذیب کا ایک قافلہ تصور کرتے ہیں۔اور اپنی شاعری میں تمام تر علائم و رموز وہی استعمال کرتے ہیں جو عرب شاعر اپنے یا محبوب کے قبیلے کی روانگی کے منظر کو بیان کرتے ہوئے کرتا ہے اور پھر اس سے انہیں کسی کمتری کا احساس نہیں ہوتا بلکہ وہ تو اس منظر کے حسن کو اس انداز میں بیان کرتے ہیں۔

اے رہین خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گونجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگ رحیل

علامہ اقبال اس کو یوں بھی بیان کرتے ہیں

فریب خوردہ منزل ہے کارواں ورنہ
زیادہ راحت منزل سے ہے نشاط رحیل

ایک عربی شاعر زہیر کوچ اور سفر کے مناظر بیان کرنے کے بعد اس سفر کی خوبصورتی اور جمال کی لطافت کو اس انداز میں پیش کرتا ہے۔

وفیھن ملھی للطیف و منظر
انیق لعین لناظر المتوسم

نہایت لطیف حسن و دلکشی ہے)

صحرائی زندگی مشکلات وخطرات سے بھرپور زندگی ہوتی ہے جہاں درندے بھی ہیں اور رہزن بھی ۔اس کے اندر وہاں کا شاعر روز و شب گزارتا ہے ۔لہذا وہ اپنی شاعری مین ان تمام مناظر کا ذکر کرتا ہے ۔مثلا چیتے ، شیر بھیڑیے اور دوسرے درندوں کا تذکرہ کثرت کیساتھ ملتا ہے ۔انہی کی صدائے بازگشت نئے معانی اور مطالب کے ساتھ علامہ اقبال کی شاعری میں بھی ملتی ہے ۔ جاہلی دور کا ایک شاعر شیر کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے ۔

لبطوف بها من النجار اسد

کا سد الفیل مسکنها العرین

یظل اللیث فیها مستکینا

نه فی کل ملتفت آنین

اس میں بنی نجار کے شیر پھرتے ہیں ۔ان جنگلی شیروں کے مانند جن کا مسکن گھنی جھاڑی ہے ۔جس میں شیر ہمیشہ خاموش رہتا ہے اور سننے والا بس اس شخص کی ہائے ہی سنتا ہے جسے وہ پھاڑ ڈالے)

علامہ اقبال فرماتے ہیں ع

اگر ہ جنگ تو شیران غاب سے بڑھ کر

اگر ہو صلح تو رعنا غزال تاتاری

بانگ درا کی ایک غزل میں بھی عرب کے شیروں کا تذکرہ ہے ۔

نکل کر صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا

سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

کسی بھی شاعر کے ہاں اس قسم کے تلمیحی تخیل پر طلسماتی اثر ڈالتی ہے ۔اگر ہم ان بلیغ استعاروں ، علائم اور رموز کو شمار کریں تو علامتوں کا دائرہ نہایت وسیع ہو جائے جو

علامہ اقبال کی شاعری میں عربی شاعری اور تہذیب سے حاصل کی گئی ہیں۔ یہ سب استعارے اور علامتیں اگرچہ مستقل نوعیت اختیار نہیں کرتیں، لیکن ان کی علامتی حیثیت بہر حال مسلم ہے۔

عربی جاہلی شاعری میں رات کا وصف، راتوں کو چلنے والے مسافروں، بھٹکے ہوئے راہیوں کا تذکرہ کثرت سے ملتا ہے۔ صحرا میں مستقل راستوں کے موجود نہ ہونیکی وجہ سے مسافروں کے بھٹکنے کے امکانات بھی بہت زیادہ ہوتے تھے۔ لہذا جاہلی عربوں کے ہاں رواج تھا کہ وہ رات کو آگ روشن کرتے تھے تاکہ بھولے بھٹکے مسافر آگ سے راستہ تلاش کرتے ہوئے اس طرف کا رخ کریں۔

بلوغ الارب کے مصنف محمود شکری۔ آلوسی نے اپنی کتاب میں ایسی بہت سی آگوں کا تذکرہ کیا ہے جو مسافروں کی رہنمائی اور ضیافت کے لیے برسوں تک جلتی رہیں۔ عرب اپنی اس خصوصیت کو فخر کا موضوع بھی بناتے تھے، مثلاً ایک جاہلی عربی شاعر کہتا ہے۔

لعمری لقد لاحت عیون کثیرہ
الی ضوء نار بالیفدع تحرق

ترجمہ: میری عمر کی قسم اس آگ کی روشنی کو بہت سی آنکھوں نے دیکھا جو بلند ٹیلے پر جل رہی تھی۔

امرالقیس بھی محبوبہ کے چہرے کو تاریک الدنیا کے چراغ سے تشبیہ دیتا ہے جو رات کی تاریکی میں بھولے بھٹکے مسافروں کے لیے امید کا پیغام دیتا ہے۔ وہ اپنے مشہور معلقے میں کہتا ہے۔

تضئ الظلام بالعشیتہ کانھا
ستارہ ممسی راھب متبتل (۳۲)

ترجمہ: (محبوبہ ک چہرہ رات کی تاریکی میں کسی راہب متبتل تاریک الدنیا کے

چراغ کی طرح منور ہوتا ہے)

امراؤالقیس ایک اور شعر میں کہتا ہے۔

نظرت الیھا والنجوم کانھا

مصابیح رھبان تشب الفقال (۳)

امراؤالقیس کے اس شعر کے دوسرے مصرع کو اقبال نے اپنی نظم ''طلوع اسلام'' کے ساشعر میں خوبصورتی سے اردو قالب دیا ہے۔

گماں آباد ہستی میں یقین مرد مسلماں کا

بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی

یا رات کی تاریکی میں چمکنے والے ان چراغوں سے کس قدر خوبصورتی سے اپنے فکر بلند کی تشبیہ دی ہے وہ کہتے ہیں۔

صفت برق چمکتا ہے مرا فکر بلند

کہ بھٹکتے نہ پھریں ظلمت شب میں راہی

اقبال اپنی نظم ''ایک آرزو'' میں اس تخیل ونہایت سادگی سے اس انداز میں بیان کرتا ہے۔

راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم

امید ان کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

ظلمت شب ''شب تاریک'' دراصل ایک استعارہ ہے قوم وملت کی حالت کے لیے جس کو علامہ اقبال کے فکر سے بلند نے ایک چراغ کی صورت نئے نئے راستوں کی نشان دہی کی تا کہ وہ اپنی شب تاریک کو سحر کر سکے۔

جاہلی کی شاعری کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں گھوڑے، اونٹ یا دوسرے جانوروں کا تذکرہ بہت زیادہ ملتا ہے بلکہ اس کی اہمیت کا اندازہ اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ امرؤالقیس کی وجہ شہرت گھوڑے کی توصیف ہے۔ اس نے اپنی بیوی کو طلاق

اس لیے دی کہ اس کا فیصلہ تھا کہ علقمہ الفحل ، امراؤالقیس کی نسبت توصیف فرس بڑا شاعر ہے۔طرفہ ۔عنترہ ، کعب بن زہیر اور دوسرے شعراء کے ہاں اونٹ زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔اور وہ اپنے قصائد میں معتد بہ حصہ اس کی توصیف کے لیے وقف کرتے ہیں۔ یہ جانور صحرائی ماحول میں ان کے رفیق بھی ہیں اور مددگار بھی۔لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ اس ماحول میں قوت کا استعارہ بھی ہیں۔ اسی لیے ذبیانی جیسے شاعر نے جو عربوں کے شعری مقابلے میں منصف کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔ جنگلی بیل کو طاقت کے استعارے کے طور پر پیش کیا ہے۔اور عقاب اور شاہین کو بھی وہ طاقت کے استعارے کے طور پر پیش کرتے ہیں بلکہ عقاب کی پھرتی ۔نگہ کی تیزی، اس کی خودداری ان کے ہاں اہمیت اختیار کر جاتی ہے بلکہ توصیف فرس کا مشہور شاعر امراؤالقیس بھی اپنے گھوڑے کو جس اس کے لیے قوت ،شوکت ،پھرتی اور تیزی کا نشان ہے عقاب سے تشبیہ دیتا ہے۔وہ اپنے شکار کی منظر کشی اس طرح کرتا ہے۔

فعادیت منہ بین ثور و نعجتہ
وکان عدائی ازا رکبت علی بالی
کانی بفتخاء الجنا حین نقوۃ
علی عجل منھا اطاطی شعلل
تخطف خزان الا نیعم بالضحی
وقد حجرت منھا ثعالب اورال
کان قلوب الطیر رطبا و با بسا
لدی وکرھا العناب الحشف البالی (۳۴)

ترجمہ: میں نے تیزی سے تعاقب کیا اور یکے بعد دیگرے ایک نیل گائے اور ایک جنگلی بیل کو مار گرایا۔سوار ہونے کے بعد گھوڑے کو دوڑاتے میں بہت ہوشیاری

سے کام لے رہا تھا۔ جب میں اپنے تیز گھوڑے کو ایڑ لگا رہا تھا تو ایسا نظر آتا تھا کہ میں ایک پھرتیلے، بازو موڑ کر جھپٹنے والے عقاب پر سوار ہوں جو بوقت چاشت، انیم (مقام) کی لومڑیاں بھٹوں میں گھس گئی ہوں۔ اس عقاب کے اردگرد پرندوں کے تازہ اور خشک دل اس طرح پڑے ہوئے ہیں جیسے عناب اور ردی کھجوریں)

خنساء بھی اپنے بھائیوں کو عقاب کی جوڑی سے تشبیہ دیتی ہے۔ امراؤ القیس اپنے معلقے مے گھوڑے کا وصف اس طرح پیش کرتا ہے۔

مکر مفر مقبل مدبر معا

کجلمود صخر حطہ السیل من عل

اس شعر کے پہلے مصرع کو علامہ اقبال نیا اس طرح اردو کا قالب دیا ہے۔ کہ عربی اور اردو مصرعوں میں صوتی ہم آہنگی آ گئی ہے۔ وہ شاہین کا وصف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں

جھپٹنا۔ پلٹنا ، پلٹ کر جھپٹنا

لہو گرم رکھنے کا ہے ایک بہانہ

اور شعر کے دوسرے مصرع کو انہوں نے اپنی نظم، ساقی نامہ میں اس خوبصورتی سے جذب کیا ہے کہ منظر کشی کا حق ادا ہو گیا ہے۔

امراؤ القیس نے تو اس کو اس طرح ادا کیا کہ یہ گھوڑا ایک ایسی چٹان ہے جسے سیلاب نے اوپر، بلندی سے نیچے لڑھکا دیا ہو، لیکن اس چٹان کے لڑھکنے کے منظر کو علامہ اقبال نے زیادہ خوبصورتی دے دی ہے۔ وہ ندی کے بارے میں کہتے ہیں۔

وہ جوئے کہستاں اچکتی ہوئی اٹکتی ، لچکتی ، سرکتی ہوئی

اچھلتی ، پھسلتی ، سنبھلتی ہوئی ، بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی

علامہ اقبال کے ہاں عقاب، شاہین اور شہباز نے وہ علامتی حیثیت حاصل کی ہے جو عرب شعرا کے ہاں دوسرے جانوروں کی ہے۔ وہ شاہین کے وصف

میں عرب شعرا سے اکتساب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اگرچہ ان کے ہاں علو معانی اور وسعت تخیل جاہلی شعرا سے کہیں زیادہ اور بہتر ہے۔

علامہ اقبال کی شاعری میں قوت اور ضربت کاری کا تصور بہت نمایاں ہے۔ ان کی نظر میں وہی جوان قبیلے کی آنکھ کا تارا ہے جس کے کردار کی بلندی کیساتھ ساتھ اس کی ضرب بھی کاری ہے۔ اقبال نے جس معاشرے میں آنکھ کھولی، وہ اس تہذیب کے زیر نگین تھا۔ جس کی بنیاد ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' پر استوار کی گئی تھی۔ اور یہ اس کی جاہلیت جدیدہ تھی۔۔ قبل اسلام کا جاہلی معاشرہ بھی انہی اصولوں پر استوار تھا۔ علامہ اقبال مرحوم کی زندگی میں ایک جنگ عظیم مسلمانوں کی خلافت کو پارہ پارہ کرنے پر منتج ہوئی اور ترکی کا یہ مرد بیمار آخر خاک وخون میں غلطاں ہو کر دم توڑ گیا اور مسلم ملی تشخص پھر سے کسی مسیحا کا متلاشی ہو گیا۔ اقبال نے ایک اسے مسیحا کا روپ دھارا جو نوجوانوں کے اندر عقابی روح بیدار کر کے، اور اس کبوتر کے تن نازک میں شاہین کا جگر پیدا کر کے، ممولے کو شہباز سے لڑا دینے پر آمادہ ہو اور وہ ذلت وپستی کی اس اندھیری رات میں چیتے کی آنکھ کے چراغ سے نئی عزت وشرف کی صبح کا سراغ حاصل کرنے پر اپنی تمام تر توانیاں صرف کر دینے میں مصروف عمل ہو اور باطل تہذیب کو صداقت آشنا کرنے کے لیے اپنے پیکر خاکی میں جان پیدا کرنا اپنا مقصود جانے۔ علامہ اقبال اسی لیے عصا کے بغیر کلیمی کو کار بے بنیاد جانتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ علامہ اقبال کی شاعری کا ثقافتی پس منظر صحرائی عربی معاشرے سے اجاگر ہوتا ہے۔ اسی لیے وہ اس صورت حال کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے صحرائی معاشرے کے استعارے اور علائم ورموز استعمال کرتے ہیں

عہد جاہلیت کے عربوں کی شاعری خانہ جنگی کی پیداوار ہے۔ فخر حماسہ اور غرور اس کی شاعری کی جان ہے، ہجو یہ اشعار سے اپنے مدمقابل کو ذلیل وخوار کرنے کے

لیے پورا زور صرف کر دیتے ہیں۔عزت وشرف اور طاقت وقوت ایک ہی چیز کے دو مختلف نام ہیں اور ہر دم آمادہ پیکار رہنا ہی زندگی کی بقا کا ضامن ہوسکتی ہے۔عہد جاہلیت کا مشہور شاعر زہیر بن ابی سلمی کہتا ہے۔،

من لم یزد عن حوضہ بسلاحہ

بھدم و ہمن لا یظلم الناس یظلم (۳۶)

ترجمہ: (جو حوض کی حفاظت اپنے ہتھیاروں سے نہیں کرسکتا اس کے حوض کو تباہ کر دیا جاتا ہے اور جو لوگوں پر ظلم نہیں کرتا اس پر ظلم کیا جاتا ہے)

طاقت وقوت کا حصول ہی ان کا مطمح نظر ہے اور یہی قوت ان کی بقا کی ضامن ہے۔یہی ان کے فخر وغرور کی بنیاد ہے اور تلوار کی ضرب ہی ان کی قوت کا اظہار ہے۔عہد جاہلیت کے ایک شاعر بلعاء بن قیس الکنانی کیا اشعار کو ابو تمام نے اپنے مرتب کردہ دیوان حماسہ میں انتخاب کیا ہے۔،

وہ فارس فی غمار الموت منغمس

اذا تالی علی مکروتہ صدقا

غشیتہ و ھو جی جلوا باسلہ

عضا اصاب سلواء الراس فالفلقا

بضربتہ لم تکن منی مخالستہ

ولا تعجلتھا جبنا ولا فرقا (۳۷)

ترجمہ: (بہت سے موت کی سختیوں میں ڈوب جانے والے ایسے سوار ہیں کہ جب ناپسندیدہ چیز کی بھی قسم کھالیں تو پوری کرتے ہیں۔جب وہ سبز رنگ کے بہادر لشکر کے درمیان گھرا ہوا تھا تو میں نے اس کو ایسی قاطع تلوار کے ساتھ ڈھانپ دیا جو سرے کے درمیان لگی ہوئی تھی اور اس کا سر پاش پاش ہوگیا۔وہ ایسی ضرب تھی جو مجھ سے نہ تو گھبراہٹ میں سرزد ہوئی تھی اور نہ میں نے اس کو بزدلی اور خوف کی وجہ

سے جلدی میں مارتھا۔

بہادری اور شجاعت اور دشمن پر حملے کے ضمن میں اس سے بہتر نقطہ نظر پیش نہیں کیا جا سکتا اور یہی بات کسی بہادر فرد کے لیے سرمایہ افتخار ہو سکتی ہے۔ طاقت اور ضربت کاری کا یہ تصور علامہ اقبال کے ہاں پہنچتا ہے جو اسلامی تہذیب و تمدن اور اس کی اخلاقیات کے داعی ہیں تو اس میں جوہری فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ تبدیلی ایسی مثبت تبدیلی ہے جس کا معاشرے کی بنیادی اقدار سے گہرا تعلق ہے۔ ان کیہاں نسبت و ملک و ملت سے زیادہ حق و صداقت اہمیت اختیار کر جاتی ہے۔ اور وہ جس تہذیب کے داعی ہیں۔، اس کی بنیاد بھی صداقت ہے۔ اور وہ کردار کی انہی خوبیوں کو قیادت کی اساس قرار دیتے ہیں۔ مثلاً ان کا یہ فرمانا۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا شجاعت کا امانت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اس لیے ان کے ہاں قوت اور طاقت کا تصور صداقت سے مشروط ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

ہو صداقت کے لیے جس دل مرنیکی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جان پیدا کرے

یا ان کے ہاں اس کا ایک اور واضح تصور پایا جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

مصاف زندگی میں سیرت فولاد پیدا کر
شبستان محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا

ان کے نزدیک یہ کارگہ حیات پنجہ نصاری اور یہود و ہنود میں آ کر رزم گاہ بن چکی ہے جس میں ایک حریف قوت کی حیثیت سے مسلم نوجوان کو اپنا کردار ادا کرنا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

یہ زور دست و ضربت کاری کا ہے مقام
میدان جنگ میں نہ طلب کر نوائے جنگ

اور پھر اسی کارگہ حیات اور رزم گہ حق و باطل کے اندر وہی سرور آتا ہے جو کسی عرب کو اپنے مخالف اور حریف کے مقابلے میں میدان جنگ میں اترتے وئے محسوس ہوتا ہے۔وہ فرماتے ہیں۔

سرور جو حق و باطل کی کارزار میں ہے
تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے

ان کے نزدیک وہ وسیع دنیا مسابقت کی دنیا ہے اور جو قوم اس مسابقت کی دمادم سے نا آشنا رہتی ہے۔نیست و نابود ہو جاتی ہے لہذا ہر ہنر میں مسابقت کا جزبہ ہی قوموں کو زندہ باشعور اقوام کی صف میں کھڑا کر سکتا ہے۔وہ کہتے ہیں۔

بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

اس کے علاوہ اگر وقت نظر سے علامہ اقبال کی شاعری کا جاہلی عربی شاعری سے باقاعدہ،موازنہ کیا جائے ے اسی تنقیدی نظر سے عربی ادب کو دیکھا جائے جس سے علامہ اقبال کی شاعری کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو کئی کئی اشعار جاہلی قوت وشوکت کے احساس کی ترجمانی کرتے ہوئے ملیں گے۔اس جوہری فرق کے ساتھ جس کی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔اور یہی فرق علامہ اقبال کے فن کو معراج تک پہنچا دیتا ہے۔

ایک عربی شاعر جعفر بن علبہ الحارثی کہتا ہے۔

لا یکشف الغماء الا ابن جرة
بری غمرات الموت ثم یزروھا

(لڑائی کی مصیبت سے اس آزاد اور شریف ماں کے بیٹے کو کوئی دور نہیں کر سکتا۔

وہ موت کی سختیوں کو دیکھتا ہے اور دیوانہ وار ان میں گھس جاتا ہے)

علامہ اقبال نے اس تخیل کو کس حسن سے بیان کیا ہے

خطر پسند طبیعت کو ساز گار نہیں
وہ گلستاں کہ جہاں گھات میں نہ ہو صیاد

عہد جاہلیت کا مشہور سعلوک شاعر طابط قرا اپنے چچا زاد بھائی کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ وہ کہتا ہے۔

اذا حاص عینیہ کری النوم لم یزل
لہ کالی من قلب شیحان جا تک
یری الوحشتہ الانس الانیس ویھتدی
بحیث اھتزت ام النجوم الشوابک

ترجمہ: (جب نیند اس کی آنکھوں کو سی دیتی ہے تو اس کا دل بیدار رہتا ہے، اور بہادر دل اس کو خطروں سے باخبر رکھتا ہے۔ وہ جنگلوں کے دور دراز مقامات کو اپنی وحشت کا انس انیس بنتا ہے اور تاروں کی کہکشاؤں میں اپنا راستہ بناتا)

علامہ اقبال نے اس کو اس سے زیادہ خوبصورت انداز عطا کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

سوئے گردوں نالہ شب گیر کا بھیجے سفیر
رات کے تاروں میں اپنے راز داں پیدا کرے

علامہ اقبال کی شاعری میں اہم موضوع آزادی، مرد حر اور غلام یا غلامی کا ہے۔ معاشرہ منظم ہو یا انتشار زدہ، مہذب ہو یا جاہل معاشرہ، زمانہ قدیم ہی سے انسانوں میں انسانوں کو غلام بنا لینے کا تصور موجود ہے۔ جنگوں میں قید کیے گئے مرد، عورتیں اور بچے لونڈی اور غلامی کی صورت اختیار کر لیتے تھے یا بچوں کو اغوا کر کے انہیں انسانوں کی منڈی میں بیچ دیا جاتا تھا اور پھر غلامی کا یہ طوق نسل در نسل چلتا تھا۔ ظہور

اسلام سے قبل کوئی معاشرہ اس لعنت سے اپنے آپ کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتا اور یہ غلام صدیوں کے ظلم وستم سہتے سہتے ضمیر کی دولت سے محروم ہو جاتے تھے۔ان کیبصیرت ان کو صرف غلامی اور اطاعت کا سبق سکھا سکتی تھی۔کمزوروں کے لیے اطاعت ہی ان کے فلسفہ حیات کا جزو بن جاتی تھی۔انکو انسانی حقوق حاصل تھے۔ نہ سیاسی۔ان کی حیثیت منقولہ جائداد سے زیادہ نہ تھی اور دلچسپ بات ہے کہ غلام کا بیٹا بھی آزاد پیدا نہ ہوتا تھا۔اس کی قسمت میں بھی صرف غلامی لکھی جاتی تھی۔اس شاہین کی نظر اب خفاش کی سیرت اختیار کر گئی تھی۔اسلام نے ان غلاموں کو جسمانی و سیاسی غلامی کے ساتھ ساتھ ذہنی غلامی سے بھی نجات دی۔عربوں کے عہد کی شاعری میں عبد اور حر کا فرق اس قدر شدت سے بیان ہوا ہے کہ حر اور حرہ،عز وشرف کے مترادف ہو گئے اور عبد کا لفظ ذلت،پستی اور رسوائی کی علامت بن گیا تھا۔

علامہ اقبال نے اسکی طرف اشارہ کیا ع۔

بھروسا کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردان حر کی آنکھ ہے بینا

علامہ اقبال نے اپنے عہد کو دیکھا تو وہاں انہیں حر اور عبد کا فرق بڑا واضح نظر آیا۔اور ان کی نظر اقوام کے نگار خانہ سیاست کی طرف چلی جاتی ہے۔جہاں استحصالی قوتوں نے نوع انسانی کو بحیثیت مجموع اپنا غلام اور مطیع وفرمانبردار بنانے کے لیے نئے نئے ہنر ایجاد کیے۔لہذا علامہ اقبال کو دور جدید،آزاد اور غلام کی تفریق کے ساتھ جاہلی معاشرے سے ممتاز نظر نہیں آتا۔وہ قومی سطح پر آزادی کے حرمت کا پرچم بلند کر کے ذہنی غلامی سے نجات کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہیں اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اس کبوتر کے تن نازک میں شاہین کا جگر پیدا کرنے کے لیے حر اور غلام کے فرق کو میں شدت سے بیان کرتے ہیں کہ عہد جاہلیت کے ان استعارات کو اقبال کی شاعری میں علامت کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔علامہ

اقبال نے جاہلی عہد کیا ان علائم و رموز اور استعارات کو کہیں زیادہ وسعت معانی عطا کی ہے۔ علامہ مرحوم کے ان علائم و رموز کے صحیح ادراک کے لیے عربی ادب کا سہارا لینے کی ضرورت ہے جس سے انکو اکتساب کیا گیا، اور ان تمام علائم و رموز کو سمجھنے میں عربی ادب خصوصی اہمیت کا حامل رہے گا۔ جب تک نقاد عربی ادب سے استفادے کے بغیر کلام اقبال کی گرہ کشائی کرے گا، اسے وہ شاہین کا فوری حاصل نہیں ہوگا جو ان کے فکر کی جولان گاہ میں محو پرواز ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سید نزیر نیازی، دانائے راز ص ۱۰۱

۲۔ رفیع الدین ہاشمی (مرتب) اقبال بحیثیت شاعر (مجلس ترقی ادب لاہور) ص ۲۵۱

۳۔ ایضاً۔

۴۔ سید نزیر نیازی، اقبال کے حضور ص ۱۵۔

۵۔ سید نزیر نیازی، دانائے راز ص ۸۷

۶۔ انوار اقبال (اقبال اکامی کراچی) ص ۱۷۸

۷۔ سید نذیر نیازی، اقبال کے حضور ص ۶۰، ۶۱

۸۔ ایضاً

۹۔ دانائے راض ص ۱۹

۱۰۔ دانائے راز حاشیہ ص ۱۴

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ایضاً ص ۱۱۲

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ حسب قرارداد پنجاب یونیورسٹی سنڈیکیٹ ۱۸۹۱ء

۱۵۔ دانائے راز ۱۲۷

۱۶۔ ایضاً ص ۱۲۹، ۱۳۰

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ایضاً ص ۳۱۵

۱۹۔ ایضاً ص ۱۸

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ سید عابد علی، شعر اقبال

۲۲۔ دانائے راز

۲۳۔ اقبال بحیثیت شاعر ص ۳۲۴

۲۴۔ الاعلم الشنتمری، اشعار شعراء الستۃ الجاہلین ص ۲۹

۲۵۔ ایضاً ص ۹۴

۲۶۔ ایضاً ۔ص ۲۷۹

۲۷۔ ایضاً ص ۲۷۹

۲۸۔ ایضاً

۲۹۔ ایضاً ص ۹۵

۳۰۔ ایضاً ص ۲۸۰

۳۱۔ دیوان الحماسہ مرتبہ ابو تمام (مکتبہ المعارف العلمیہ لاہور)

۳۲۔ اشعار شعراء الستۃ الجاہلین ص ۳۵

۳۳۔ ایضاً ص ۴۷

۳۴۔ ایضاً ص ۵۲

۳۵۔ ایضاً ص ۳۶

۳۶۔ ایضاً ص ۲۸۶

۳۷۔ دیوان الحماستہ ص ۲۳

۳۸۔ ایضاً ص ۲۱

۳۹۔ ایضاً ص ۲۹

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006